اسلامی تربیت کے معاشرے پر اثرات

آباد شاہ پوری

'معاشرہ' افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ فرد کی مثال اس 'مرکزہ' (Nucleus) کی ہے، جس کے ارد گرد خلیے جمع ہوتے ہیں اور پھر ایک وجود تشکیل پاتا ہے۔ یہ مرکزہ جس نوعیت کا ہوتا ہے، اُس کو وجود میں لانے کے پیچھے جو نظریہ، مقصد اور ارادہ کارفرما ہوتا ہے، معاشرہ بھی اسی نوعیت کا وجود میں آتا ہے۔ ایک پودے کے مرکزہ سے پودا ہی پیدا ہوتا ہے اور برگ و بار لاتا ہے۔ کسی جانور کے خلیے کے مرکزہ سے جانور ہی جنم لیتا ہے اور انسان کے مرکزہ سے انسان ہی صورت پذیر ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی معاشرے کے مرکزوں (افراد) سے ویسا ہی معاشرہ وجود میں آئے گا، جس نوعیت کے وہ مرکزے ہوں گے۔ پھر جس طرح کسی پودے اور درخت کی پیدایش اور نشو ونما کا انحصار مخصوص طریقِ کاشت، زمین کی خاصیت اور آب و ہوا کی نوعیت پر ہوتا ہے، اسی طرح کسی جانور اور انسان کو وجود میں لانے کے لیے مخصوص مرکزوں اور خلیوں، مخصوص تخلیقی عمل، خصوصی ماحول، خاص قسم کی غذا اور دوسرے منفرد عوامل درکار ہوتے ہیں۔

ایک فرد جس ماحول میں پرورش پاتا ہے، اس کی فکری صلاحیتیں، خالق، کائنات اور کائنات میں انسان کا مقام متعین کرنے والے جس فلسفے اور نظریے کے تحت نشو ونما پاتی ہیں، اُس کی سیرت جس اخلاقی سانچے میں ڈھلتی ہے اور وہ زندگی کے جس مقصد کو اپنا کر اپنا منہاج ـــ عمل متعین کرتا ہے اس سے تشکیل پانے والا معاشرہ اسی ماحول، اسی فلسفے اور نظریے، اسی سیرت و کردار، انھی اخلاقی اصولوں اور اسی منہاج عمل کا حامل ہوگا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ افراد کے افکار و نظریات، مقصد زندگی اور اخلاقی اصول تو کچھ اور ہوں، مگر ان کے مجموعے سے جو معاشرہ صورت پذیر ہو، وہ بالکل برعکس ہو۔

معاشرے پر افکار و نظریات کے اثرات

افراد کے افکار و نظریات اور سیرت و کردار کے سانچے میں معاشرہ کس طرح ڈھل جاتا ہے اُس کا جائزہ اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں۔ اس لیے ہم صرف دورِ حاضر کو سامنے رکھتے ہیں۔

جدید عمرانیات میں انسان کو معاشرتی حیوان (Social Animal) قرار دیا گیا ہے۔ اس تصور کی بنیاد پر دو قسم کے معاشرے وجود میں آئے ہیں۔ ایک وہ جس میں انسان جانور ہی کی طرح آزاد ہے کہ جو روش چاہے اختیار کرے، جس کھیت اور چراگاہ میں چاہے منہ مارے، اُسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اس لیے کہ وہ بنیادی طور پر جانور ہے اور یہ اس کی جبلّت کا تقاضا ہے ____ مگر چونکہ وہ عام جانوروں سے ذرا زیادہ مہذّب، شائستہ اور صاحب عقل و دانش ہے اور اس کے لیے معاشرتی زندگی بسر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس لیے کچھ حدود مقرر کر دی گئی ہیں کہ بس وہ کسی کھیت میں منہ مارتے وقت، اپنے نفس کی کوئی خواہش پوری کرتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ یہ سارے کام دوسرے متعلقہ معاشرتی جانور کی رضامندی سے ہوں۔ یہ رضامندی اُسے حاصل ہو جائے تو پھر کوئی بدی بدی نہیں، کوئی لا قانونیت لا قانونیت نہیں ہے۔ کسی کی حق تلفی حق تلفی نہیں، کسی کی بے آبروئی بے آبروئی نہیں، اور کسی کی عصمت و ناموس عصمت و ناموس نہیں۔ وہ فریق ثانی کی رضا کے ساتھ ہر غیر اخلاقی فعل، ہر ظلم اور ہر جرم کر سکتا ہے۔ دوسرے معاشرتی جانوروں کو لوٹ کھسوٹ کر اپنا گھر بھر سکتا ہے۔ کسی کی ناموس کو اپنے گھر میں ڈال سکتا ہے یا گھر میں ڈالے بغیر اس سے کھیل سکتا اور نفس کی آگ بجھا سکتا ہے۔ البتہ وہ یہ باتیں اگر جبراً کرتا ہے تو یہ جرم ہے اور بری بات۔

یہ نقطۂ نظر اُس ریاست کی قانون سازی میں پوری طرح کارفرما ہوتا ہے، جسے یہ 'معاشرتی جانور' قائم کرتے ہیں۔ اس طرح یہ حیوانی آزادی محض افراد تک محدود نہیں رہتی بلکہ اجتماعی صورت اختیار کر لیتی ہے اور ہر ادارے میں ان کی حیوانیت رقصاں دیکھی جا سکتی ہے۔ جب اس جانور کا سابقہ اپنے معاشرے سے باہر دوسرے معاشروں سے پڑتا ہے تو اس کی حیوانیت، اس کے شائستہ فلسفے اور ترقی پسندانہ قوانین اور ضابطے سب دھرے رہ جاتے ہیں۔ پھر وہ درندہ بن کر نمودار ہوتا ہے جو اپنے سے کمزور 'جانوروں' کو چیرتا پھاڑتا، اُن کے حقوق غصب کرتا، اُن کی زمینوں پر قبضہ کرتا اور انھیں اپنا غلام بناتا ہے اور اس راہ میں وہ کسی حد اور رکاوٹ کا قائل نہیں رہتا۔

پھر ایک دوسرا معاشرہ وہ ہے، جس میں 'معاشرتی جانوروں' کا ایک چھوٹا سا چالاک اور ہنر مند گروہ اپنے عام ہم جنسوں یا اُن کے ایک خاص طبقے کے نام پر معاشرے کی باگ ڈور سنبھال لیتا ہے اور پھر ان کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتا ہے۔ انھیں اُسی طرح لاٹھی سے ہانکتا ہے، اس ظالمانہ سلوک میں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔

ایسے معاشرے پوری کوشش کرتے ہیں کہ معاشرتی جانوروں میں آزادانہ سوچنے سمجھنے اور بولنے کی جو صلاحیتیں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں انتخاب اور ارادے کی جو آزادی بخشی ہے، اُن سے وہ کام نہ لینے پائیں، بلکہ سوچ کا جو سانچا وہ مہیا کریں اُس میں یہ صلاحیتیں ڈھل جائیں اور اُن کی خودی موت کے گھاٹ اتر جائے اور وہ عام جانوروں کی طرح انتخاب اور ارادے کی قوت اور آزادی سے محروم ہو جائیں۔ ایسے نظریے کی بنیاد پر جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اُس کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ جانور اپنے کسی پیدا کرنے والے کے آگے جواب دہ نہیں۔ اُن کی زندگی بس اسی دنیا تک محدود ہے اور ان کا کام بجز اس کے کچھ نہیں کہ ذرا عام جانوروں کی نسبت مہذب انداز میں رہیں سہیں، چریں چگیں، نسل بڑھائیں اور مر جائیں۔

اسلام کا تصورِ انسان

اسلام کا تصوّرِ انسان کے بارے میں اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے نزدیک وہ خدا کی افضل ترین (Most Exalted) مخلوق ہے:

وَّھُوَ فَضَّلَکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔) (الاعراف ۷:۱۴۰)

جس کو اس نے بہترین ساخت کے ساتھ پیدا کیا ہے:

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۝ (ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔) (التین ۹۵:۴)

اسے زبردست فکری و عملی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں:

هُوَالَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَۃَ ط (الملک ۶۷ : ۲۳) اللہ ہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیے۔

بنایا ہے۔ (vicegerent) اور زمین میں اپنا نائب

پھر اس افضل ترین، بہترین ساخت اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والی مخلوق کو بے مقصد نہیں پیدا کیا کہ کھائے پیئے، چند روزہ زندگی کے مزے لوٹے اور مر جائے۔ نہیں، وہ آزمایش کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے اسے حق و باطل، نیکی اور بدی کی راہ کو منتخب کرنے اور اس پر چلنے کی پوری آزادی بخشی گئی ہے :

الدھر ۲:۷۶-۳) ہم نے) o اِنَّا ہَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا o اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ صلے نَّبۡتَلِیۡہِ فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا
انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اُسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اُسے راستہ دکھادیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

بے شک اس افضل ترین مخلوق ــــــ انسان ــــــ کے ساتھ ایک حیوان بھی ہے۔ اس کے بغیر انسان کی انسانیت کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ تاہم، انسانی جسم کی پوری مشینری میں اسے بالکل ناگزیر حیثیت دی گئی اور اسے کنٹرول کرنے کے لیے انسان کو بدی اور نیکی کا احساس اور اُن میں امتیاز کرنے کے لیے ضمیر کی قوت اور علم (وحی الٰہی) کی روشنی بخشی۔ اِس حیوان کے حدود عمل بھی متعین کر دیے کہ ان کے دائرے میں رہ کر اپنا تخلیقی فریضہ سرانجام دے۔ اس حیوان کا انسان پر بس اتنا حق ہے کہ وہ اسے زندہ رہنے کا اس قدر سامان فراہم کرتا رہے کہ اس کی یہ زندگی انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے کے قابل بنائے رکھے اور اتنا نہ پالے پوسے کہ وہ اسے اللہ کے مقابلے میں بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کر دے۔ گویا اسلام انسان کے حیوان کو نہیں انسان کو اہمیت دیتا ہے اور اس انسان کی بقا اور ترقی اور اچھے انجام کو اُس کا اصل مقصدِ تخلیق قرار دیتا ہے۔

یہ سارا اہتمام انفرادی طور پر کیا گیا ہے، یعنی پورے معاشرے یا کسی خاص طبقے کو اجتماعی طور پر نہیں، ہر شخص کو فرداً فرداً گردانا گیا ہے اور آخرت میں بھی ہر شخص اس کی بارگاہ میں اسی طرح فرداً فرداً حاضر ہو گا جس طرح وہ فرداً فرداً دنیا میں آیا تھا:

وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (انعام ۶:۹۴) اب تم ویسے ہی تنِ تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔

اور پھر اُس سے دنیوی زندگی کے شب و روز کے ایک ایک لمحے کا حساب لیا جائے گا اور اُسے پوری پوری جزا اور سزا دی جائے گی۔

وَاَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ٥ ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ٥ (اور یہ کہ اس کی سعی عن قریب دیکھی جائے گی اُس کی پوری جزا اسے دی جائے گی۔ النجم ۵۳: ۴۰-۴۱)

وہاں ہر فرد کو اپنا بوجھ اُٹھانا ہو گا اور دنیا کی زندگی میں اس نے جیسی کچھ جد و جہد آخرت کی زندگی کے لیے کی تھی اس کا ویسا ہی پھل اسے مل جائے گا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ٥ وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ٥ (یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی۔ النجم ۵۳: ۳۸-۳۹)

اور اس کا یہ عُذر قابلِ سماعت نہ ہو گا کہ وہ معاشرے کے مقابلے میں بے بس تھا اور اُسے دنیوی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں نے غلط اور سرکشی کے راستے پر چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس طرح اسلام انسان کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کے ساتھ ساتھ فرد اور معاشرے کا مقام اور حیثیت بھی متعین کر دیتا ہے، یعنی فرد معاشرے کی تخلیق نہیں بلکہ بہت سے افراد مل کر معاشرے کی تخلیق کرتے ہیں۔ یہ افراد جن افکار و نظریات اور عقائد و اخلاق کے سانچے میں ڈھلے ہوں گے معاشرہ بھی ان ہی افکار و نظریات اور عقائد و اخلاق پر مبنی ہو گا۔ اور چوں کہ قیامت کے روز ہر فرد انفرادی طور پر اپنے اعمال و افعال کا جواب دہ ہے، اس لیے معاشرے کو یہ حق نہیں ہے کہ افراد کو ان کے افکار و نظریات اور عقائد و اخلاق کے مطابق زندگی بسر نہ کرنے دے اور انھیں اپنی مرضی کی لاٹھی سے جانوروں کی طرح ہانکتا پھرے۔ انسان جانور نہیں اشرف المخلوقات ہے۔

اسلامی معاشرے کی اساس

اسلام کے نقطۂ نظر سے انسان کے اس مقام اور اس کی انفرادی حیثیت کو مدّ نظر رکھیے کہ اسلام کس قسم کا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے۔اسلامی معاشرہ دنیا کے تمام معاشروں سے بالکل جداگانہ رنگ رکھتا ہے۔یہ نہ تو نسل و نسب پر مبنی ہے اور نہ زبان اور وطن پر بلکہ یہ تہذیبی اور نظریاتی بنیادوں پر تشکیل پاتا ہے۔اس کی تشکیل بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں اور اسے راست بنیادوں پر قائم بھی وہی رکھ سکتے ہیں جو ان بنیادوں کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ اپنی انفرادی زندگی کو ان پر ٹھیک ٹھیک استوار بھی کرتے ہیں خواہ وہ کسی سر زمین سے تعلق رکھتے ہوں اور نسل و نسب کا رنگ، زبان اور وطنی قومیت وغیرہ کی کوئی قدر مشترک اُن کے درمیان نہ ہو۔

اسلامی معاشرے کا کلمۂ جامعہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔یہ وہ پاک کلمہ ہے جس پر ایمان لانے کے بعد ایک شخص اسلامی معاشرے کو تشکیل دینے والی اکائی بن جاتا ہے۔یہی مختصر سا بول اسلامی معاشرے کو وہ تہذیبی و نظریاتی بنیادیں فراہم کرتا ہے جس پر اس کی عظیم اور دلکش عمارت کھڑی کی گئی ہے۔اسی کلمے کو ادا کرنے کے بعد ایک شخص یہ تسلیم کرلیتا ہے کہ اس کا اور اس کے گردو پیش پھیلی ہوئی ساری کائنات کا خالق، مالک، آقا اور حکمران اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نوعِ انسان کو وہ نظامِ فکر و عمل بخشا ہے جو زندگی کے ہر ایک شعبے پر حاوی ہے اور جسے اپنائے بغیر انسان نہ دنیا کی زندگی چین اور اطمینان سے بسر کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں نجات پا سکتا ہے۔

یہ نظامِ فکر و عمل افراط و تفریط سے پاک ہے۔انسان کے لیے دو انتہائوں سے ہٹ کر متوسط راہ متعین کرتا ہے۔اس طرح اسلامی معاشرہ ایک متوازن معاشرہ ہے۔عبادت ہو یا سیاست، معاشرت و معیشت ہو یا کوئی اور شعبۂ زندگی، اس کے احکام اور تعلیمات ہر معاملے میں اعتدال پسندانہ ہیں۔پھر یہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے جس میں کالے گورے، عربی و عجمی، امیر و غریب، آقا و غلام کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔نہ یہاں پیدائش یا پیشے کے اعتبار سے کوئی شخص شریف یا رذیل ہے۔سب انسان برابر ہیں ۔

اسلامی معاشرہ بے مقصد معاشرہ نہیں۔ یہ انسان کو دنیا میں نیکی، راست روی اور حق پرستی کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ امت مسلمہ کا مقصد وجود یہ ہے کہ عالمِ انسانیت کے سامنے اپنے عمل سے گواہی دے کہ اسلام زندگی کا جو نظام دیتا ہے وہی دنیا وآخرت میں فلاح و کامرانی کا بہترین نظام ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ ۲: ۱۴۳) اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک 'اُمتِ وسط' بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔

اس لحاظ سے یہ ایک مثالی معاشرہ ہے اور ساری دنیا کے لیے بہترین نمونۂ اتباع۔

اسلامی معاشرہ: تربیت کی بنیادیں

ایسا مثالی معاشرہ، مثالی اور کامل المعیار افراد ہی وجود میں لا سکتے ہیں۔ اسی لیے اسلام افراد کی فکری و عملی تربیت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ وہ انھیں قانون کی لاٹھی سے ہانکنے یا اجتماعی قوت کے ذریعے اپنا نظام مسلّط کرنے کے بجائے اُن کے فکر و نظر میں انقلاب برپا کرتا ہے۔ ان کے سوچنے سمجھنے کے زاویے بدلتا ہے۔ زندگی اور کائنات اور خدا کے بارے میں اُن کے غلط تصور کو بدل ڈالتا ہے۔ ان کی پسند اور ناپسند کا معیار بدلتا ہے۔ ان کی دل چسپیوں کے مرکز اور دائرے تبدیل کرتا ہے۔ غرض وہ تمام تبدیلیاں جو دوسری نظریاتی اور تہذیبی قوتیں جبر و تشدّد کے ہتھیاروں سے لاتی ہیں، وہ اسلام دل و نگاہ کی تبدیلی سے لاتا ہے۔ اس تبدیلی کے بعد ان کی سیرت و کردار کو تربیت کے مخصوص سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ قانون نافذ کرتا بھی ہے تو ایسی فضا اور ماحول پیدا کرنے کے لیے جس میں افراد کو اُس تربیت میں مزید مدد مل سکے اور اس تربیت کے منافی اور ناساز گار ماحول جنم نہ لے سکے۔

اسلام کی اس تربیت کے چند بنیادی اور اہم رُخ حسب ذیل ہیں:

☆اسلامی نظریۂ حیات کی برتری: یہ تربیت ایک مسلمان فرد میں اسلامی نظریۂ حیات کی برتری اور اس کے برحق ہونے کا پختہ و کامل یقین پیدا کرتی ہے تاکہ وہ دنیا کے دوسرے نظریات سے مرعوب نہ ہونے پائے۔ یہ نظریات زمانے میں کتنے ہی رائج اور غالب وطاقت ور کیوں نہ ہوں، اُن کے باطل ہونے پر اُس کا ایمان ہو۔ ان کے پھیلائے ہوئے فکری و نظریاتی اور مادی جال کو تارِ عنکبوت سمجھے جو حقیقت و صداقت اور ایمان کی قوت کے آگے نہیں ٹھیر سکتا۔ حالات چاہے کیسے ہی رُوح فرسا اور مایوس کن ہوں اور دنیا کا دھارا چاہے کتنے ہی مخالف رُخ پر جا رہا ہو، اس کا دل یقین کے اس نور سے منور رہے کہ حق وہی ہے جس پر وہ ایمان لایا ہے۔

☆ قول و فعل کی ہم آہنگی: یہ تربیت نظریے پر ایمانِ کامل اور پختہ یقین پیدا کرنے کے ساتھ اُس کی زندگی کو عمل کے رنگ میں اس طرح رنگتی ہے کہ وہ پکار پکار کر شہادت دیتی ہے کہ اس کا واقعی اس نظریۂ حیات کے برحق ہونے پر ایمان ہے۔ قول و عمل کی ہم آہنگی ہی وہ قوت ہے جو حق کی تلاش میں سرگرداں اور حق کی خواہاں دنیا کو متاثر کرتی ہے۔ قول و عمل کا تضاد منافقت کی علامت ہوتی ہے اور نفاق وہ روگ ہے جو کسی معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس لیے اسلام کے تربیتی پروگرام میں قول و عمل میں مطابقت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

☆ مضبوط کردار: مقصد سے محبت اور عزمِ راسخ مضبوط کردار پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ حق کے سوا ہر چیز کو ٹھکرا دے۔ اپنے موقف پر پہاڑ کی طرح جما رہے۔ اصولوں پر نہ مصالحت کرے اور نہ مداہنت پر آمادہ ہو۔ نہ لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرے۔ حق میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ مزاحم قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے اور باطل کے دباؤ میں نہ آئے۔

☆ خدا خوفی: خدا پرستی اللہ کے ساتھ گہرا لگاؤ پیدا کرتی ہے۔ دل و دماغ میں یہ بات راسخ کر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت سب طاقتوں سے بالا اور زبردست ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ اس کے سوا کسی سے خوف نہ کھائے اور ہر غیر اللہ سے کٹ کر اُسی کا ہو جائے۔ اُسی پر توکل اور بھروسا کرے۔ اُس کی راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرے۔ خدا پرستی اُس کے شب و روز کو خدا خوفی، تقویٰ، امانت و دیانت، عدل و احسان، عہد و پیمان کا پاس، راست بازی، پاکیزگی سیرت، طہارتِ کردار اور اخلاقِ فاضلہ کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔ معاشرے کو بگاڑنے والے اسباب و عوامل کے خلاف اُس کے دل میں نفرت کے نہ مرنے والے بیج بو دیتی ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد سے دنیا اور آخرت میں جو اخلاقی نتائج رُونما ہوتے ہیں، خدا خوفی ان کا احساس قلب

وذہن میں اتنا گہرا بٹھاتی ہے کہ جب بھی انسان کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اُس کے نتائج و عواقب اس کے لوحِ ذہن پر ابھر آتے ہیں۔ اور اگر وہ نتائج برے ہوں تو اس کا یہ احساس فوراً اُس کے قدم روک دیتا ہے۔

☆اجتماعیت: جماعتی شعور اور نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور بے چون وچرا اطاعت کا سبق سکھاتی ہے۔

☆ حق گوئی و بے باکی: حق گو، بے باک اور بے خوف بناتی ہے تا کہ مسلمان، معاشرے کو سیدھے راستے پر گامزن رکھنے میں ساعی ہوں اور غلط راہوں پر جانے سے روکیں۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علم بردار بن کر رہیں۔ انھیں برپا ہی اسی لیے کیا گیا ہے:

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (اٰلِ عمرٰن ۳:۱۱۰) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس فرض کو انجام نہ دینے سے ایمان تک مشتبہ ہو جاتا ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

جو شخص کسی منکر کو دیکھے اس کو چاہیے کہ وہ اُسے ہاتھ سے روک دے۔ لیکن اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اُس کے خلاف آواز بلند کرے۔ اور اگر اس کی ہمت بھی نہ ہو تو پھر کم از کم اپنے دل میں اُسے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

ایک اور حدیث پاک میں ہے: ''اس میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہے''۔

یعنی منکر کو اگر کوئی مسلمان دل میں بھی بُرا نہیں سمجھتا، اس سے سازگاری پیدا کر لیتا ہے، یا اس کے ساتھ غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کرتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

☆اخلاص: خداخوفی اس قدر اخلاص پیدا کرتی ہے کہ وہ نیکی کا جو کام بھی کرتا ہے محض اللہ کی خاطر اور خوشنودی کے لیے کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی انفرادیت

یہ ہے وہ تربیت جو اسلام اپنے حلقہ بگوش افراد کی کرتا ہے جن کے جماعتی زندگی بسر کرنے سے اسلامی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّی زندگی کے ۱۳ برسوں میں جو افراد تیار کیے انھیں انھی خطوط پر تربیت دی اور ان کا تزکیہ کردار کیا اور پھر جب ان افراد نے مدینہ کی زندگی میں باقاعدہ ایک معاشرے کی صورت اختیار کر لی اور ایک اسلامی ریاست قائم ہو گئی، اور یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا کا سماں بندھنے لگا، تب بھی دورِ امن ہو تا یا زمانۂ جنگ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی تربیت باقاعدہ کرتے رہتے تھے۔ مدینہ کی زندگی میں اسلامی تہذیب و تمدّن، عبادات، معاشی زندگی اور سیاسی نظام کے احکامات دیے اور قوانین نافذ کیے گئے، لیکن ان احکامات اور قوانین کو نافذ کرنے سے پہلے افراد کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا تاکہ وہ انھیں اپنی دنیا اور آخرت کی زندگی سنوارنے کا موجب سمجھتے ہوئے پوری خوش دلی اور ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ قبول کریں۔ حضورؐ کی حیات مبارکہ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی قانون یا حکم کو بہ جبر نافذ کیا گیا ہو بلکہ کیفیت یہ تھی کہ اہل ایمان اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے کہ حضورؐ کوئی حکم فرمائیں اور وہ اس کی پیروی کر کے دنیا اور آخرت کی سعادت سمیٹیں۔

اس تربیت سے جس قسم کے افراد تیار ہوئے، دنیا کا کوئی معاشرہ اور غیر مسلم تاریخ کا کوئی دور ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ تصور کیجیے جس معاشرے کے افراد صرف ایک اللہ کی غلامی اور ایک رسول کی قیادت تسلیم کرتے ہوں، پاک دل و پاک باز ہوں، اخلاقِ فاضلہ سے جن کی زندگیاں مزین ہوں، جو ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو کا احترام ہی نہ کرتے ہوں محافظ بھی ہوں۔ جھوٹی تہمتیں نہ باندھیں، جادو اور توہمات کے اسیر نہ ہوں، علم و روشنی سے جن کے قلب و ذہن تابندہ ہوں، جو امانت دار ہوں، عہد و پیمان کے پابند ہوں، انصاف پسند ہوں، جن کا دامن شراب خوری، زنا، ڈاکا زنی، چوری، جھوٹ، منافقت، حرص و طمع اور دوسرے اخلاقی ذمائم سے پاک ہوں۔ فحش گوئی اور فحاشی سے دور بھاگتے ہوں۔ یتیموں اور کمزوروں کے حقوق غصب نہ کرتے ہوں۔ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہوں۔ صدقہ و خیرات اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہوں۔ نوعِ انسانی کے غم خوار اور ہمدرد ہوں اور آپس میں بھائی بھائی، اہل حق کے لیے نرم خُو ہوں اور باطل پرستوں کے لیے سخت فرض شناس اور ذمہ دار ہوں۔ صداقت شعار، وفا شعار، حق پرست، حق گو، نڈر ہوں۔ ایک اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتے ہوں، نہ خوف کھاتے ہوں۔ ایسے افراد سے جو معاشرہ وجود میں آئے گا اس کی کیا کیفیت ہو گی؟

ایسا ہی معاشرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔ اسلام سے پہلے عرب جاہل، ان گڑھ اور اَن پڑھ تھے۔ لیکن جب اس جاہلی معاشرے کی جگہ اسلامی تربیت یافتہ افراد پر مشتمل اسلامی معاشرے نے لی تو یہی لوگ ایسے عظیم عالم، جج، جرنیل، سیاست دان اور قانون دان بن کر اُٹھے کہ جس طرف نکل گئے انھوں نے زمانے کا رخ موڑ دیا۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا دھارا نئی شان و شوکت سے نئی راہ پر بہنے لگا۔ پہلے ہر طرف جہالت و وحشت کی تاریک رات طاری تھی، یہ حق کا پیغام لیے جہاں پہنچے صبحِ روشن نمودار ہو گئی۔

اسلامی معاشرے کا انحطاط

یہ اسی تربیت اسلامی کا اثر تھا کہ اسلامی معاشرہ صدیوں تک دنیا کے تمام معاشروں پر چھایا رہا۔ یورپ نے علم و تہذیب کی روشنی اس سے لی اور اپنی تاریک راہوں کر منور کیا۔ جب تک افراد کی تربیتِ اسلامی کا اہتمام اسلامی معاشرے میں ہوتا رہا، دنیا کی علمی، تہذیبی اور سیاسی قیادت اس کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن جب یہ اہتمام پہلے کمزور پڑا اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہو گیا تو دوسری نظریاتی اور تہذیبی قوتیں اس پر حملہ آور ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اسلامی قلعے کی جو فصیلیں تربیت اسلامی نے تعمیر کی تھیں وہ ایک ایک کر کے منہدم ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی گود میں پلنے والے تربیت اسلام سے عاری ایسے نوجوان بہ کثرت پیدا ہونے لگے جو ان بیرونی تہذیبی طاقت وروں سے متاثر تھے۔ دشمن باہر سے حملہ آور تھا اور یہ اندر سے نقب لگا رہے تھے اور باقی معاشرے پر سحر زدگی کا عالم تھا کہ وہ خود اس اسلامی تربیت سے تہی دامن ہو چکا تھا، جس نے اسے شعورِ وجود بخشا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ملک نہ صرف سیاسی طور پر اُن حملہ آوروں کے غلام بن گئے بلکہ وہ ان کی تہذیبی یلغار کے آگے بہہ نکلے۔

آج عالمِ اسلام جن حالات سے دوچار ہے وہ صحیح اسلامی تربیت کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے۔ اسلامی معاشروں میں ساری کمزوریاں اسی راہ سے آئی ہیں۔ امام مالک بن انس کا قول ہے کہ اس امت کے پہلے حصے کی اصلاح جس چیز کی بدولت ہوئی، اُسی کے ذریعے آخری حصے کی بھی اصلاح ہو گی۔ ہم اپنے ملی و اسلامی تشخص کی بازیافت کی جو جدوجہد کر رہے ہیں، اس میں اُسی وقت کامیاب ہوں گے جب ہمارے

معاشرے اپنے افراد کی تربیتِ اسلامی انھی خطوط پر کریں جن پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّلین اسلامی معاشرے کے افراد کی تربیت کی تھی۔